صائمہ اکرم چوہدری

سیاہ حاشیہ



سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ ”پچھتاؤ گی۔“ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کر گئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔

✲ ✲ ✲

عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کر رہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔

عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔
عبداللہ پابند صوم و صلوٰۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی ہوچکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔
عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہوچکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔
عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

ناولٹ



شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پر واک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑجاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔
ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارصم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہوچکا ہے۔
نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اوریدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوادیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔
اوریدا اور ارصم کی بہت دوستی ہے۔ جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔
عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کر رہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔
شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور باپ کو کسی مذہبی جنونی نے قتل کر دیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔
آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑ دی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔
اوریدا ارصم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارصم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کر دے دیتے ہیں' آغا جی کو یہ بات بری لگتی ہے۔
ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے' جو کسی مرد کی ہے۔
ارصم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔
مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کر دیا تھا۔
عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔
عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہو جاتی ہے۔
شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔
ارسل' شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔
ارصم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔
عدینہ فیصلہ سنا دیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہو جاتی ہیں۔

سولہویں قسط

آنے والے دنوں کا سورج عدینہ کے لیے اپنے دامن میں بے حد' خوف' وہم اور اندیشے لے کر طلوع ہوا۔ آپا صالحہ کے چہرے پر پھیلی زردی اور نقاہت عدینہ کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس کی والدہ کے کئی ٹیسٹ ہو چکے تھے جن کی رپورٹس نے اسے اور زیادہ تشویش میں مبتلا کر دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چھڑی گھما کر اپنی والدہ کو کسی نہ کسی طرح ٹھیک کر دیتی۔ ان ہی دنوں اسپتال والوں کی طرف سے آپا صالحہ کو سرجری کی تاریخ بھی دے دی گئی۔ جس کا پتا چلتے ہی آپا صالحہ میں تو لگتا تھا کوئی پارہ بھر گیا تھا۔

"آپ کن چکروں میں پڑ گئی ہیں...." عدینہ ان کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی تو انہیں الماری میں منہ دیے ہوئے دیکھا۔

"تم میرے ساتھ اسٹور میں چلو...." انہوں نے عجیب سی فرمائش کی۔

"آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے، مجھے بتائیں۔ میں جا کر لے آتی ہوں۔" عدینہ نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم وہاں سے لوہے کا ٹرنک نکلواؤ' مجھے اس میں سے کچھ ضروری چیزیں نکالنی ہیں۔" ان کی بات پر عدینہ حیران تو ہوئی لیکن اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔

"آپ اس نیلے ٹرنک کی بات کر رہی ہیں ناں.....؟" اس نے ایک دفعہ پھر تصدیق کے لیے پوچھا۔

"ہاں ہاں وہی....." آپا صالحہ نے لاپروائی سے کہتے ہوئے دودھ کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ وہ آج کافی مطمئن تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں منگواتی ہوں....." وہ جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔

کچھ ہی دیر کے بعد اس نے مدرسے کی چند بچیوں کی مدد سے وہ صندوق اندر منگوالیا تھا' جسے دیکھتے ہی آپا صالحہ کی آنکھوں میں چمک سی آگئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس صندوق میں آپا کی زندگی کے بہت سے راز چھپے ہوئے ہیں۔ عدینہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ فوراً" ان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی' آپا نے پہلی دفعہ یہ ٹرنک اس کے سامنے کھولا تھا۔ اس میں بے شمار پرانے کاغذات' کپڑے اور کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

"یہ اس گھر کی رجسٹری کے کاغذات ہیں' یہ تمہارے باپ نے حق مہر میں میرے نام کر دیا تھا اور میرے بعد تم اس کی وارث ہو۔" ان کی بات سے عدینہ کو دھچکا سا لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپا اس سے اس قسم کی گفتگو کریں گی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ.....؟" اس نے شکایتی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے....." آپا صالحہ زبردستی مسکرا کر۔۔ بولیں۔ "یہ چیک بک ہے۔ میں نے اس پر سائن کر دیے ہیں۔ تم سارے پیسے اپنے اکاؤنٹ میں کل ہی ٹرانسفر کرا لو۔" ان کی اگلی بات پر وہ ایک دم خوفزدہ ہوئی۔

"آپ یہ ساری چیزیں مجھے کیوں دے رہی ہیں.....؟"

"اس لیے کہ ان تمام چیزوں پر تمہارا ہی حق ہے۔" وہ سادگی سے گویا ہوئیں۔

"آپ کے ہوتے ہوئے میں یہ سب کچھ کیسے رکھ سکتی ہوں....." عدینہ بوکھلا گئی۔

"اور جس وقت میں نہ رہی تو تمہیں کوئی بتانے والا بھی نہیں ہو گا کہ کون سی چیز کہاں پر ہے۔" آپا صالحہ کی صاف گوئی نے عدینہ کا دل دکھا دیا۔

"رہنے دیں آپ....." وہ ناراضی کے اظہار کے طور پر تھوڑا سا رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

"اوں ہوں....." انہوں نے اپنی بیٹی کو ٹوکا "ایسے خفا نہیں ہوتے....."

"تو پھر آپ بھی ایسی باتیں مت کریں....." اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا یہ جیولری دیکھو' تمہارے باپ نے شادی کے بعد تمہاری پیدائش پر تحفتاً" دی تھی مجھے اور

میں نے اسی وقت تمہارے لیے سنبھال کر رکھ لی تھی۔" عدینہ کو نہ جانے کیوں آپا کا لہجہ اس دفعہ نم آلود محسوس ہوا۔ عدینہ نے کچھ سوچا اور بالکل ان کے قریب آبیٹھی۔

"آپا! مجھے ان چیزوں کی قطعاً" ضرورت نہیں۔"

اس نے ماں کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تو آپا صالحہ نے الجھ کر اپنی بیٹی کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"تو کس چیز کی ضرورت ہے۔۔۔؟" ان کے منہ سے پھسلا۔

"آپ کے اعتبار کی۔۔۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ واقعی نہیں سمجھیں۔

"مجھے بس وہ دکھ، غم اور تکلیفیں بتائیں، جنہوں نے اتنے سال سے آپ کے دل کا سکون چھین رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کے دل میں پڑی کسی گرہ کو کھول سکوں۔" ایک اعصاب شکن خاموشی کمرے میں پھیل گئی۔

"کیا کرو گی پوچھ کر۔۔۔" خلاف توقع انہوں نے مزاحمت نہیں کی۔

"میرے دل و دماغ میں بچپن سے بے شمار سوال ہیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ ان سب کے جواب دے دیں مجھے۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا، دل ہی دل میں وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں آپا صالحہ اس بات کا برا نہ مان جائیں۔

"پوچھو، کیا پوچھنا چاہتی ہو تم۔۔۔" انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔ عدینہ نے چند لمحے سوچا اور ان کے ٹرنک میں ہاتھ مار کر وہ سنگ مرمر کا کتبہ ان کے سامنے کیا، جسے دیکھتے ہی ان کا رنگ اُڑ گیا تھا، بولنے کی کوشش میں ان کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔

"یہ کتبہ کس کا ہے۔۔۔؟" عدینہ نے بغیر کسی لگی لپٹی کے پوچھا۔

"میرا۔۔۔" آپا صالحہ کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔

"اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا۔۔۔ میں اس کے بارے میں بھی تمہیں بتانا چاہتی تھی۔" انہوں نے اسے مزید حیران کیا۔

"کیا۔۔۔؟" عدینہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔ اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی بڑے راز سے پردہ اٹھنے والا ہے۔

"جب میں مرجاؤں تو تم میری قبر پر یہی کتبہ لگانا۔"

ان کی عجیب سی خواہش پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔۔۔" وہ خفا ہوئی۔

"موت برحق ہے بیٹا اور ہر انسان کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن آپ میری ماں ہیں اور کون سی اولاد ایسی باتیں اپنے والدین کے منہ سے سن سکتی ہے۔" اس نے اس دفعہ کھل کر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ اس کے اس انداز پر آپا صالحہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیں۔

"میں تمہیں جو کہہ رہی ہوں، بس وہ غور سے سنو۔ میری خواہش ہے، جب بھی میرا انتقال ہو تو تم میری قبر پر یہی کتبہ لگانا۔۔۔"

"لیکن اس پر تو تاریخ وفات بہت سال پہلے کی ہے۔" عدینہ نے الجھن بھرے انداز سے کہا۔

"اس پر جو تاریخ ہے نا، سمجھو تمہاری ماں اسی دن مر گئی تھی۔۔۔" وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"مجھے آپ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔" عدینہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔

"جب انسان کسی اپنے کی نظروں سے گرتا ہے نا تو سمجھو، اسی وقت جیتے جی مر جاتا ہے۔" آپا صالحہ کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہوئیں۔

"یہی وہ دن تھا، جب میں نے دنیا اور آخرت کی ذلت خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر ملی۔ میری زندگی وہیں تک تھی جو میں نے جی لی، اس کے بعد تو بس زندہ لاش کی طرح اپنا وقت ہی پورا کیا ہے۔" وہ آج پہلی دفعہ اپنی بیٹی کے سامنے کھلی تھیں۔

"تو پھر آپ کو اس کتبے پر اپنا اصل نام لکھوانا چاہیے تھا۔۔۔" عدینہ کی بات پر انہیں کرنٹ سا لگا۔

"تمہیں کس نے کہا یہ میرا اصل نام نہیں...." وہ ایک پریشان ہوئیں۔
"اس لیے کہ جس کا نام صالحہ ہو' وہ ایسا قدم نہیں اٹھائے گی جو اسے دین و دنیا میں رسوا کردے۔" اس نے بمشکل بات بنائی۔
"تو جس کا نام بختاور ہو' وہ بھی قسمت کی دھنی نہیں ہوتی...." ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"تو آپ کا اصل نام بختاور ہے...." عدینہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔ آپا صالحہ نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہیں۔
"لیکن اس کتبے کو بنانے کا مقصد کیا تھا....؟" وہ الجھ کر ان کا مضطرب چہرہ دیکھنے لگی۔
"ایسے ہی...." انہوں نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔
"کچھ تو بتائیں پلیز.... مجھے اس بات نے بہت سے شکوک میں مبتلا کر رکھا ہے۔" عدینہ نے صاف گوئی سے کہا۔
"تمہیں لگتا ہو گا کہ یہ تمہارے باپ کی پہلی بیوی کا ہے' ہے ناں...." انہوں نے اس کے دل کی بات پوچھی۔ "ایسا نہیں ہے' جب کبھی دنیا کی رنگینیاں مجھے اپنی طرف مائل کرتی تھیں تو میں اسی دن یہ کتبہ نکال کر دیکھ لیتی تھی کہ آخر کار مجھے اس قبر میں جانا ہے' جس پر یہ تختی لگے گی۔ یقین مانو' میرا دل فوراً" اپنی اوقات پر آجاتا تھا۔" اس دفعہ انہوں نے تفصیل سے جواب دیا۔
"لیکن اس کے لیے کتبہ بنوانا ضروری تو نہیں...."
عدینہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"میں نے بھی خاص طور پر نہیں بنوایا تھا اسے...." انہوں نے نظریں چرائیں۔
"آپا! اپنی زندگی میں جیتے جی کون کرتا ہے ایسی حرکتیں۔" وہ جھنجلا سی گئی۔
"میرے جیسے پاگل لوگ' جو خود کو اذیت دینے کے لیے نت نئے طریقے ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔" ایک تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آکر ٹھہر گئی۔

"پھر بھی کچھ تو سوچا ہو گا...." اس نے اصرار کیا۔
"بس یوں ہی ایک دفعہ ایسی دکان سے گزر ہوا جہاں قبروں کے کتبے بنائے جاتے تھے تو میرے قدم وہاں رک گئے۔ دکاندار نے پوچھا بی بی کسی کی قبر کی تختی بنوانی ہے کیا؟ میرا سر اثبات میں ہل گیا۔"
"اس نے پوچھا نہیں کس کی....؟" عدینہ حیران ہوئی۔
"پوچھا تھا میں نے کہا' ایک رشتے دار خاتون کی' اور اس کے کہنے پر اپنا نام اور تاریخ پیدائش بتادی اور ایسا بالکل لاشعوری طور پر ہوا۔" ان کی اس بات پر عدینہ کو ان کی ذہنی حالت پہ شبہ ہوا۔ وہ کھوجتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔
"لیکن جب اس نے تاریخ وفات پوچھی تو میرے ذہن میں وہی دن آیا جس دن میں نے اس لادین ملحد شخص ہاشم سے کورٹ میرج کر کے اپنے لیے جہنم کی آگ خرید لی تھی۔" آپا صالحہ نے آخر کار اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا۔ ان کے ہونٹ لرز رہے تھے اور خود کو رونے سے روکنے کے لیے انہیں کافی مشقت کرنا پڑ رہی تھی۔
عدینہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں۔ وہ ہونٹ بھینچے' خاموشی سے ان کی زندگی کی داستان سننے لگی۔

✡ ✡ ✡

شانزے کے فلیٹ میں آج ایک عجیب سی عدالت سجی ہوئی تھی.... جہاں ہاشم رضا اپنی بیٹی کے سامنے موجود تھا۔ جسے وہ کسی صورت بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ شانزے کے چہرے پر ناراضی' دکھ' بے یقینی اور کیا کچھ نہیں تھا۔ وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔
ایئرپورٹ پر ہونے والی اس ملاقات میں شانزے نے آخر کار انہیں پہچان ہی لیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تقدیر کبھی اس شخص کو اس کے سامنے

لے آئے گی جس کا کردار باپ کی حیثیت سے اس کی زندگی کی کتاب سے بہت سال پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا۔۔۔؟" شانزے روتے روتے ایک دم چیخی۔

"ایک لمحے کے لیے بھی میرا خیال نہیں آیا آپ کو۔"

اس نے بدگمانی سے اپنے باپ کو دیکھا جو اس وقت کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت شانزے کے فلیٹ میں موجود تھے۔ شانزے پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل رو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہاشم رضا کے حلق سے سارے سوالات کے جواب ایک دم اگلوالے' جب کہ ان کے ہونٹوں پر تو گہری چپ کا تالا تھا۔

"آپ دونوں ہی حد درجہ خود غرض انسان تھے۔ دونوں نے صرف اپنے لیے سوچا اور نئی زندگی بسانے چل پڑے۔" وہ استہزائیہ نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"معاف نہیں کروں گی میں' آپ کو بھی اور اس عورت کو بھی جس نے مجھے جنم دیا۔" اس نے فرد جرم عائد کی۔

ہاشم رضا کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں انگارہ بن گئیں۔ پچھلے ایک گھنٹے میں وہ پورا ایک جگ پانی پی چکے تھے لیکن پیاس تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ لفظ تھے کہ ان کا ساتھ چھوڑتے چلے جارہے تھے۔

"کسی ایک نے بھی میرا خیال نہیں کیا' دونوں سر سے اتار کر پھینک کر چلے گئے اور دوبارہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔" شانزے کے لبوں پر ایک اور شکوہ مچلا۔

سامنے بیٹھے شخص نے ایک دفعہ پھر شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ اس کے پاس اپنی بیٹی کے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب موجود نہیں تھا اور کوئی اس وقت ڈاکٹر ہاشم رضا کو اس طرح سر جھکائے بیٹھے دیکھ لیتا تو اسے اپنی بصارت پر بالکل یقین نہ آتا کہ اس شخص کے سامنے ہزاروں کا مجمع ساکت ہو جاتا تھا۔ وہ اس وقت بالکل ایسے تھے جیسے ان کی قوت گویائی چھن گئی ہو۔ وہ شخص جس کی گفتگو میں دلائل کا سمندر بہتا تھا' اس وقت اس کی زبان پر مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کے اندر ایک حشر برپا تھا لیکن وہ بے بس انداز سے اپنی اس بیٹی کو دیکھے جارہا تھا جسے وہ اس وقت چھوڑ کر ملک سے باہر چلا گیا تھا جب وہ صرف چند دن کی تھی۔

"بتائیں ناں' کیوں کیا' آپ نے ایسا؟ کیا انسان اتنا بھی بھٹک سکتا ہے۔" شانزے اب ان کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ صورت میں ہو بہو اپنی ماں کی کاپی تھی جبکہ مزاج اس نے اپنے باپ کا چرایا تھا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں ہیں اب۔۔۔" وہ ایک دم چڑ کر بولی۔

"کیا بولوں۔۔۔" ڈاکٹر ہاشم کی آنکھوں میں بے بسی کے سب ہی رنگ تھے۔

"کچھ بھی' جسے سن کر میرے اتنے سالوں کی محرومی' اذیت اور تکلیف کا مداوا ہو جائے۔۔۔" شانزے کے لہجے میں بہت سے ان کہے دکھ ایک ساتھ جھلکے جسے سن کر ہاشم رضا بے چین ہو گئے لیکن اب بھی ان کے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

"آپ کے اور بہن بھائی بھی تو تھے' کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ آپ نے ہی یہ مشکل راستہ کیوں چنا۔۔۔؟" اس نے ایک اور شکوہ کیا۔

"بیٹا' بس سمجھ لو۔۔۔ کسی کے لہجے سے چھلکتے غرور کی سزا دینے کے لیے چن لیا گیا تھا مجھے۔۔۔" ہاشم رضا کی بات پر شانزے کو جھٹکا لگا۔

ان کی یہ بات اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید ان سے بحث کرتی' اس کے فلیٹ کی گھنٹی بجی۔ ہاشم رضا جلدی سے کھڑے ہوئے۔ شانزے نے انہیں روکنا چاہا لیکن اس وقت اس کا دماغ ان کے کہے ہوئے فقرے میں الجھا ہوا تھا کہ کسی کے غرور کی سزا انہیں ملی۔ وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے اور گمراہی سے ہدایت کا سفر انہوں نے کیسے طے کیا۔ اس وقت سوالات بے شمار تھے لیکن شاید انہیں پوچھنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ اسی وقت لاؤنج کا دروازہ کھلا اور ہاشم رضا کے ساتھ آتے ماہیر کو دیکھ کر شانزے کا

دماغ بھک کر کے اڑا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ باپ کے سامنے ہونے والی اس پہلی ملاقات میں ہی ماہیر کی آمد ہو جائے گی۔ کچھ دیر پہلے اس نے جو عدالت اپنے باپ کے لیے سجا رکھی تھی، اب اسی کٹہرے میں اسے کھڑا ہونا تھا کیونکہ ہاشم رضا الجھن بھرے انداز سے کبھی شانزے کو اور کبھی ماہیر کو دیکھ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ رات، بہت عجیب رات تھی.... بہت سے رازوں کی پوٹلیاں ایک ایک کر کے کھل رہی تھیں۔ عدینہ منہ کھولے اس داستان ہوشربا کو سن رہی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپا صالحہ کے سینے میں اتنے راز دفن ہوں گے۔ وہ اسے اپنے اور ہاشم کے متعلق تفصیل سے بتا چکی تھیں۔

"اس رات جب میں مظفر آباد جانے کے لیے راولپنڈی سے نکلی تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اللہ مجھے اس طرح موت کے منہ میں جانے سے بچالے گا۔" آپا صالحہ کی آنکھیں رونے کی زیادتی سے متورم ہو چکی تھیں۔

"اینٹی الرجک میڈیسن کی دو گولیاں کھانے کے بعد میرا ذہن بالکل سو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوسٹر مسافروں کو تھوڑی دیر ریسٹ کرانے کے لیے ایک مخصوص اسٹاپ پر رکی تو وہاں بے شمار ہوٹل تھے اور بہت سی بسیں کھڑی تھیں۔" انہوں نے اپنے ماضی کا وہ تلخ باب کھولا۔

"پھر کیا ہوا۔" عدینہ نے بے تابی سے ان کی بات کاٹی۔

"میں واش روم جانے کے لیے اٹھی اور وہاں ایک ہوٹل کے قریب مجھے چکر آیا اور میں گر کر بے ہوش ہو گئی۔ ایک میاں بیوی مجھے اٹھا کر ایک قریبی اسپتال میں لے گئے جہاں ایک گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آیا اور وہ لوگ مجھے ڈاکٹر کو دکھا کر اور میڈیسن دلوا کر کوسٹرز کے اڈے پر پہنچے تو بس وہاں سے جا چکی تھی۔" آپا صالحہ نے اس رات ہونے والے اصل واقعے کو تفصیل سے بیان کیا۔

"تو پھر آپ آزاد کشمیر کیسے پہنچیں....؟" عدینہ کا سانس رک گیا۔

"مت پوچھو، کیسی قیامت خیز رات تھی وہ، میں ان میاں بیوی کے ساتھ بالکل اکیلی اور تنہا تھی لیکن اللہ انہیں اس نیکی کا اجر دے، جو اس رات انہوں نے میرے ساتھ کی۔" آپا صالحہ کی آنکھوں سے ایک دفعہ پھر آنسو پھسلے۔

"میرے سارے کپڑے "اسناد" ڈاکومنٹس، سب کچھ میرے بیگ میں تھا جو اس بس کے ساتھ چلا گیا تھا، لیکن اللہ کا شکر تھا کہ میرا ہینڈ بیگ میرے پاس تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے مجھے مظفر آباد جانے والی ایک اور کوسٹر میں سوار کرایا اور جب میں وہاں پہنچی تو پتا چلا کہ وہ پچھلی بس حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔" آپا صالحہ کی بات پر عدینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"اوہ مائی گاڈ.... پھر کیا ہوا....؟" عدینہ بے چین ہوئی۔

"میری دوست نیلم اور اس کے والدین نے میرا بہت ساتھ دیا۔ نیلم کے والد آرمی میں بہت اچھی پوسٹ پر تھے۔ انہوں نے ہی میرے سامان کے لیے بھاگ دوڑ کی تو انہیں پولیس اسٹیشن سے پتا چلا کہ اس لڑکی کے والدین سے وہ پہلے ہی رابطہ کر چکے ہیں، کیونکہ انہیں ایک لڑکی کی ڈیڈ باڈی پر میرا گمان ہو رہا تھا۔" آپا صالحہ ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

"تو آپ کے پیرنٹس نے کیا کہا انہیں....؟" اسے فوراً تجسس ہوا۔

"انہوں نے وہ کٹی پھٹی لاش وصول کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ سامان تو نیلم کے بابا نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے نکلوا لیا تھا لیکن۔" ان کا لہجہ گلوگیر ہوا اور وہ چپ ہو گئیں۔

"لیکن کیا....؟" عدینہ نے بے تابی سے ان کی بات کاٹی۔

"پہلی دفعہ مجھے احساس ہوا کہ میں ان کے لیے کس قدر قابل نفرت تھی، انہوں نے اپنی مری ہوئی بیٹی کا

منہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا' پتا نہیں کس بدقسمت لڑکی کی لاش تھی لیکن میرے منہ پر طمانچہ مار کر مجھے میری اوقات یاد دلا گئی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
عدینہ کا بھی دل بھر آیا اس نے اپنے ہاتھ سے ان کے چہرے پر پھیلتے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرنے کی کوشش کی۔
"اگر نیلم اور اس کے والدین نہ ہوتے تو شاید میں کسی پہاڑی سے کود کر خودکشی کر چکی ہوتی یا زہر کھا کر مر گئی ہوتی۔ مجھ جیسی لڑکیوں کو تو مر ہی جانا چاہیے۔"
وہ خود اذیتی کا شکار ہوئیں۔
"آپا اتنا کچھ آپ اکیلے ہی برداشت کرتی رہیں۔"
عدینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"جب اکیلے اتنا بڑا قدم اٹھایا تو اس کی سزا بھی اکیلے ہی بھگتنا تھی۔ دعا کرو بیٹا' میرا رب مجھے معاف کر دے۔"
آپا صالحہ پہلی دفعہ کھل کر اس کے سامنے اپنے دکھ پر روئی تھیں۔
"میرا دل چاہتا ہے کہ میں دنیا بھر کی لڑکیوں کو بتاؤں گھر سے بھاگ کر اور والدین کی ناراضی کے ساتھ جو فیصلے کیے جاتے ہیں ان میں دنیا تو انسان کے ہاتھ سے جاتی ہی ہے' لیکن بعض دفعہ دین بھی چلا جاتا ہے۔ اس لیے وہ ہوش مندی سے فیصلے کریں۔" وہ اب ہچکیاں لے کر رو رہی تھیں۔
عدینہ کو اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں پہلی دفعہ آئی تھی کہ آپا اس کے اور عبداللہ کے درمیان کیوں اتنا زیادہ فاصلہ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ اس ان دیکھی آگ سے اپنی بیٹی کو بچانا چاہتی تھیں جس میں وہ خود کئی سالوں سے جل رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

پچھم سے اٹھنے والی آندھی نے ایک دم ہی طوفان برپا کر دیا۔
مارگلہ کی پہاڑیاں' سڑکیں' درخت سب کچھ مٹی سے بھر گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گرد کا طوفان ہے۔ ایک بگولہ سا اوریدا کے صحن میں بھی گول گول چکر کاٹ رہا تھا۔ جسے وہ غائب دماغی سے دیکھنے میں مگن تھی۔
"لو! اب اسلام آباد میں بھی آنے لگیں آندھیاں' تو باقی ملک کا تو اللہ ہی حافظ...." بوا رحمت بڑبڑاتے ہوئے پچھلے صحن سے دھلے ہوئے کپڑے جلدی جلدی اکٹھے کر رہی تھیں۔ برآمدے میں رکھے جھولے پر بیٹھی اوریدا کی نگاہیں بوا پر اور ذہن کہیں اور تھا۔
"توبہ توبہ.... سفید کپڑوں کا تو بیڑا غرق ہی ہو گیا آندھی میں۔" بوا رحمت نے کپڑوں کی ایک پوٹلی اس کے جھولے میں لا پھینکی اور غور سے اوریدا کا افسردہ چہرہ دیکھا اور تعجب کے اظہار کے طور پر ناک پر انگلی رکھ لی۔
"بٹیا رانی' خیر تو ہے نا' آج کل بیٹھے بیٹھے کہیں گم ہو جاتی ہو...."
"آپ نے مجھ سے کچھ کہا بوا...." اوریدا ایک دم چونکی۔
"ظاہری سی بات ہے' اب میں ان دیواروں یا اس جھولے سے تو کہنے سے رہی۔" بوا رحمت ہنس پڑیں۔
"کیا کہہ رہی تھیں آپ...." وہ تھوڑی سی شرمندہ ہوئی۔
"خدانخواستہ باہر کی کسی چیز نے ذہن پر اثر تو نہیں کر دیا۔ جو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" بوا رحمت اپنے پوپلے منہ کے ساتھ ہنسیں تو اوریدا کو غصہ آ گیا۔
"بوا! ہر وقت کا مذاق بھی اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کو کیا پتا' انسان کس سچویشن میں بیٹھا ہے۔" وہ غصے سے جھولے سے اتری اور فوراً" ہی پاؤں پٹختی ہوئی اندر کی طرف بڑھی جیسے ہی اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولا' سامنے سے آتے بڑے ابا کے ساتھ ٹکرائی اور بوکھلا گئی۔
"خیر تو ہے بہت عرصے کے بعد یہ ٹکریں مارنے والا سلسلہ شروع کیا ہے آپ نے۔" ڈاکٹر جلال کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔
"آئی ایم سوری' بڑے ابا...." وہ ایک دم ہی

شرمندہ ہوئی۔
"ذرا اچھی سی ایک کپ کافی تو بنا کر لائیں..." وہ مسکراتے ہوئے اپنے اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے۔
"یا اللہ! آج سورج کہاں سے نکلا ہے..." وہ وقتی طور پر ارصم کے رویئے سے ہونے والی پریشانی سے نکل کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ بڑے ابا کے کمرے میں تھی۔
"یہ ارصم کے رزلٹ والی بات درست ہے کیا...؟" انہوں نے اچانک ہی پوچھا۔ اوریدا گڑبڑا گئی۔
"جی ابا..." اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا جیسے اس کے فیل ہونے کی بڑی وجہ وہی ہو۔ "آپ کو کس نے بتایا؟"
"آج CPSP (کالج آف فزیشن اینڈ سرجنز) کے ریجنل آفس میں پروفیسر ہمدانی صاحب ملے تھے' بتا رہے تھے کہ ارصم کے آغاجی پچھلے دنوں کافی بھاگ دوڑ کر رہے تھے اس کے سلسلے میں..." انہوں نے تفصیل سے جواب دیا۔
"آغاجی یا بینش آنٹی نے نہیں بتایا آپ کو...؟" اوریدا کو حیرانی ہوئی۔
"بینش صرف اپنی اور اپنی اولاد کی کامیابی کی خبریں ہی شیئر کرنے کی عادی ہے۔" ان کا استہزائیہ انداز اوریدا کو عجیب لگا' وہ الجھ گئی۔
"خیر چھوڑو۔ عدینہ کی والدہ کو سرجری کی ڈیٹ مل گئی ہے۔ تم سے رابطہ ہوا اس کا۔" انہوں نے اچانک ہی بات بدلی۔
"آپ کو پتا تو ہے' آج کل — چھٹیاں ہیں۔ وہ گھر گئی ہوئی ہے اپنے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔
"وہ آپ کی دوست ہے بیٹا اور اس کی والدہ کینسر کی پیشنٹ ہیں' اسے اس مشکل وقت میں ضرورت ہوگی۔ آپ کو رابطے میں رہنا چاہیے اس سے۔" ڈاکٹر جلال نے اسے اچھا خاصا شرمندہ کر دیا۔
"آئی ایم سوری بڑے ابا' بس دھیان نہیں رہا..."
اس نے فوراً ہی اپنی غلطی مان لی۔
"اچھا جاؤ اور اپنی بڑی اماں کو بھیجو میرے پاس..."
ان کی بات پر وہ فوراً ہی سر ہلاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی' اچانک بڑے ابا نے اسے پیچھے سے اس کا نام لے کر پکارا۔
"جی بڑے ابا..." وہ فوراً مڑی۔
"کوئی پرابلم ہے آپ کے ساتھ...؟" وہ اس دفعہ جانچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ گڑبڑا سی گئی۔
"نن نہیں... ایسی کوئی بات نہیں..."
"جب زندگی میں کوئی درست فیصلہ درست موقعے پر کر لیتے ہیں تو پھر اس پر بار بار نہیں سوچتے۔" ڈاکٹر جلال کے جتاتے ہوئے لہجے پر اوریدا کی سانس اٹک گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا جو میڈیکل کی کسی کتاب پر جھکے ہوئے تھے۔
"اگر فیصلہ درست ہو تو ہمیں سکون کیوں نہیں آتا بڑے ابا...؟" وہ وہیں کھڑے کھڑے تھوڑا سا جھجک کر بولی۔
"ادھر آکر میرے پاس بیٹھو..." ان کا نرم لہجہ اوریدا کو اچھا لگا تھا۔ وہ خاموشی سے ان کی کرسی کے پاس رکھے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔
"سامنے کرسی پر بیٹھ جاؤ اوریدا..." انہیں اس کا اپنے قدموں میں بیٹھنا اچھا نہیں لگا۔
"مجھے اچھا لگتا ہے' آپ کے سامنے اس طرح بیٹھنا..." اوریدا کے بے ساختہ انداز میں بولے گئے جملے نے ان کے زخموں کے کئی ٹانکے بے دردی سے ادھیڑ دیے' انہیں شاک سا لگا اور انہوں نے ایک دم چونک کر اپنی اس پوتی کو دیکھا' جو اپنی پھپھو کی ساری شباہت چرا لائی تھی۔
"بتائیں ناں بڑے ابا..." اس نے نم — آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ دیکھنا ڈاکٹر جلال کے بس میں نہیں تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنی نظریں ہٹائیں۔ اس کی شکل ہی نہیں انداز بھی بختاور عرف ڈیزی سے ملتے تھے۔

"جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر اس پر بار بار نہیں سوچتے' کیونکہ شیطان' درست فیصلہ کرنے پر انسان کو بار بار بہکاتا ہے۔" وہ بمشکل خود پر ضبط کر کے گویا ہوئے۔ وہ اس موضوع پر اس سے گھما پھرا کر ہی بات کر سکتے تھے۔

"ایسی صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے....؟" وہ مدد طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"انسان کو اللہ سے رجوع کرنا چاہیے' وہ اپنے بندے کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ایک بات کہوں بڑے ابا....؟" وہ تھوڑا سا جھجک کر بولی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر کسی انسان سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ اللہ کے سامنے توبہ کر لے' تو وہ معاف کر دیتا ہے نا....؟"

"ہاں' بالکل...." ڈاکٹر جلال نے فوراً جواب دیا۔

"ہم بھی تو اسی اللہ کے بندے ہیں' ہم ایسا کیوں نہیں کرتے....؟" اوریدا کی بات نے انہیں تعجب میں مبتلا کیا۔ وہ بہت کم ان کے سامنے بولتی تھی لیکن کچھ عرصے سے دادا اور پوتی کے درمیان فاصلے بہت تیزی سے کم ہو رہے تھے۔

"وہ ذات تو غفور الرّحیم ہے' اس کی رحمت اور ظرف کا کسی انسان کے ساتھ تو کوئی مقابلہ ہی نہیں۔" ڈاکٹر جلال پھیکے سے انداز میں مسکرائے۔

"لیکن ماں باپ کا دل اور ظرف تو بڑا ہونا چاہیے نا اپنی اولاد کے معاملے میں۔" اوریدا کا لہجہ اس دفعہ عجیب لگا انہیں۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو اوریدا....؟" انہوں نے جانچتی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا' وہ شش و پنج کا شکار تھی۔

"پتا نہیں مجھے کہنا چاہیے یا نہیں' ایک غلط فیصلہ بابا نے کیا اور اس کی سزا لمبی جدائی کی صورت میں بھگتی' ایک فیصلہ آپ نے طیبہ پھپھو کے لیے غلط کیا اور اس کی سزا پھپھو نے اکیلے بھگتی اور آپ سے خفا ہو گئیں۔" وہ بولتے بولتے رکی اور اس نے ڈاکٹر جلال کا مضطرب چہرہ دیکھا "کاش آپ سب لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دیں تو کتنی زندگیاں پر سکون اور آسان ہو جائیں۔ یہ بات مشکل سہی لیکن ناممکن نہیں ہے بڑے ابا' اس پر سوچیے گا ضرور۔" وہ ان کا سارا سکون برباد کر کے بڑے آرام سے کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر بینش اور آغا جی کے گھر کے ماحول میں عجیب سی قنوطیت طاری تھی۔ بینش کئی دنوں سے نہ تو اسپتال جا رہی تھیں اور نہ ہی دوسرے اسپتالوں سے آنے والی کالز کا ڈھنگ سے جواب دے پا رہی تھیں۔ ان کے پورے وجود پر پژمردگی' مایوسی اور غم کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس دن خلاف توقع آغا جی ان کے بیڈ روم میں چلے آئے' وہ جو راکنگ چیئر پر بیٹھی تھیں' انہیں دیکھ کر زبردستی مسکرائیں۔

"آغا جی خیریت' آپ مجھے بلوا لیتے....؟" وہ باپ کے احترام میں فوراً کھڑی ہوئیں۔

"ایک ضروری بات کرنی تھی' اس لیے سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔" وہ سنجیدہ انداز میں کہتے ہوئے سامنے رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کوئی پریشانی والی بات تو نہیں....؟" آج کل بینش کو عجیب و غریب وہم ستانے لگے تھے۔

"پریشانیوں نے تو لگتا ہے اس گھر کا راستہ ہی دیکھ لیا ہے۔" بات کرتے ہوئے آغا جی پہلی دفعہ بینش کو بہت بوڑھے اور ضعیف لگے۔

"کک کیا ہوا؟ کیا ارصم نے پھر کچھ کر ڈالا....؟" وہ بے چینی سے گویا ہوئیں۔

"کچھ کر ہی تو نہیں رہا' یہی بات تو تشویش کا باعث ہے۔" انہوں نے فکرمندی سے اپنے ماتھے کو مسلا۔

"وہ آج کل کالج نہیں جا رہا۔" انہوں نے وہ بم پھوڑ ہی دیا' جو وہ پچھلے کئی دنوں سے اپنے بغل میں چھپائے بیٹھے تھے۔

"اوہ میرے خدایا...." بینش مضطرب انداز میں کھڑی ہو گئیں' "میڈیکل کالج میں اتنی غیر حاضریوں کا

مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔
"پہلے اس کے باپ کے بیسٹ فرینڈ بریگیڈیئر منصور سے کہہ کر اتنی مشکل سے اس کے پیپرز نکلوائے' پھر اس کے پروفیسرز سے اچھی علیک سلیک تھی تو معاملہ آسانی سے حل ہو گیا لیکن اب سفارش یا اپروچ سے اس کی حاضری تو مکمل نہیں کرائی جا سکتی۔" انہوں نے کھل کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔
"یہ دو پیپرز تو اسے پاس کرنے ہی پڑیں گے۔۔۔"
"اتنا ذہین' لائق فائق بچہ تھا میرا۔ ہمیشہ پوزیشن لیتا تھا' کسی بدخواہ کی نظر ہی کھا گئی اسے۔۔۔" بینش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"یہ سب باتیں ٹھیک سہی لیکن اسے اس طرح برباد ہونے کے لیے بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔" ان کی بات درست تھی۔
"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے آغا جی۔۔۔" بینش ایک دم پرجوش ہوئیں۔
"کیا۔۔۔؟"
"آپ ڈاکٹر فواد سے اپائنٹمنٹ کیوں نہیں لیتے' ارصم کے لیے۔۔۔؟"
"ڈاکٹر فواد جو کہ سائیکاٹرسٹ ہیں۔۔۔" آغا جی نے الجھ کر پوچھا۔
"ہاں ہاں وہی' ہو سکتا ہے' دو چار سیشن کے بعد ٹھیک ہو جائے ارصم' اور وہ اسے ٹریک پر لے آئیں۔" بینش پرامید لہجے میں بولیں۔
"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ چلا جائے گا اس کے پاس۔۔۔" آغا جی نے برا سا منہ بنایا۔
"کیا مطلب۔۔۔؟"
"یہ تمہاری بھول ہے' کہ اسے آسانی کے ساتھ سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جایا جا سکتا ہے۔" آغا جی نے ان کے خوش فہمی کے غبارے میں سے ایک دم سوئی مار کر ساری ہوا نکالی۔
"اچھا خاصا ایجوکیٹڈ' سینس ایبل بچہ ہے' مان جائے گا۔" بینش نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے' کوشش کر کے دیکھ لو' مجھے تو کوئی امید نہیں۔۔۔" ان کی صاف گوئی بینش کو تڑپا گئی۔
"میری کہاں سنے گا وہ' آپ کریں نا اس سے بات۔۔۔؟"
"آج کل تو وہ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں' بات کیا خاک کرے گا۔" انہوں نے تپ کر جواب دیا۔
"تو پھر کس سے کہوں۔۔۔؟" وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہو گئیں۔
"جلال بھائی سے بات کر کے دیکھو۔۔۔" انہوں نے ایک نئی راہ سجھائی جو اس وقت بینش کو بالکل نہیں بھائی۔
"تایا ابا کی بھی کہاں سنے گا وہ' آج کل تو وہ کسی کا بھی لحاظ نہیں کر رہا۔" انہوں نے نظریں چرا کر سراسر انہیں ٹالا تھا' ورنہ دل میں تو وہ بھی جانتی تھیں کہ تایا ابا بھی ارصم سے کافی خفا تھے اور جس سے وہ ناراض ہوتے' بالکل ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے۔ اس لیے ان سے بھی مدد کی کوئی امید نہیں تھی۔
"فی الحال تو اچھی سی چائے پلواؤ' پھر سوچتے ہیں۔ میرا تو دماغ تھک گیا ہے۔" آغا جی نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر تھکے تھکے انداز میں کہا تو بینش سر ہلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

ارصم پچھلے ایک گھنٹے سے لان میں بیٹھا اسموکنگ کر رہا تھا اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھتی اوریدا کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھا' پرانی سی جینز پر اس نے ایک بوسیدہ سی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی' شیو بڑھی ہوئی اور بال بے ترتیبی سے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس حلیے میں وہ اپنے آپ سے ہی بے زار لگ رہا تھا۔ اس کا یہ حلیہ اوریدا کے لیے تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔
"یہ ارصم ہے نا۔۔۔" تیمور صاحب' ماہیر کے ساتھ

ابھی ابھی اسپتال سے معائنہ کرا کر آئے تھے۔ دونوں کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی جب تیمور کی نظر لان میں اکیلے بیٹھے ارصم پر پڑی۔

"جی ہے تو وہی....." ماہیر نے گاڑی کا ہینڈ بریک کھینچ کر دروازہ کھولا اور دونوں باپ بیٹا باہر نکل آئے۔

"یہ اس نے کیا مجنوں جیسا حلیہ بنا رکھا ہے.....؟" تیمور کو اسے دیکھ کر عجیب سا احساس ہوا۔

"رزلٹ اچھا نہیں آیا اس کا' دو پیپرز میں لڑھک گیا ہے۔" ماہیر نے غیر سنجیدگی سے انہیں بتایا۔

"اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انسان' اپنا ایسا حلیہ بنا کر اسموکنگ شروع کر دے۔" تیمور کو ہلکا سا غصہ آیا۔

"آج کل تو اس نے آنٹی بینش اور آغا جی کو بھی اچھے خاصے ڈپریشن میں مبتلا کر رکھا ہے۔" ماہیر نے انہیں ایک نئی اطلاع دی' جسے سن کر تیمور اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے۔ وہ آہستہ سے ارصم کی طرف بڑھے جو اپنی سوچوں میں گم' ساری دنیا سے بے نیاز بیٹھا تھا۔

بینش جو کہ ارصم کی تلاش میں اپنے پورشن سے ابھی ابھی باہر نکلی تھیں' وہ لان میں ارصم کے پاس تیمور اور ماہیر کو دیکھ کر سخت کوفت کا شکار ہوئیں' تیز تیز قدم بڑھا کر وہ ان تینوں کی جانب بڑھیں۔ تیمور اور ماہیر کی ان کی جانب پشت تھی جبکہ ارصم سر جھکائے پاؤں سے زمین کھرچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دو پیپرز میں پاس نہ ہونا اتنی بھی بڑی بات نہیں' جس کی سزا تم خود کو دے رہے ہو۔" تیمور کے لہجے میں چھپی فکر بھی بینش کو کم از کم اپنے بیٹے کے لیے اچھی نہیں لگی تھی۔

"اپنا نہیں تو اپنی ماں کا ہی کچھ خیال کرو۔ ساری زندگی اس نے اکیلے کاٹ دی' ورنہ جس عمر میں وہ بیوہ ہوئی تھی' اس عمر میں تو اکثر لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔" تیمور کے جذباتی انداز نے بینش کے پاؤں جکڑ لیے۔ ایک لمحے کو وہ سن ہو گئیں۔ تیمور سے اس رویے کی انہیں کہاں توقع تھی' وہ تو ساری ہی دنیا کو اپنا دشمن سمجھتی تھیں۔

"تمہیں کچھ احساس ہے اس کا' تمہارے علاوہ ہے ہی کون اس کا۔ اب تم اپنی ماں کو اس عمر میں تکلیف دو گے؟ تم سے اس حرکت کی توقع نہیں تھی مجھے۔" وہ ان کی اولاد کو سمجھا رہا تھا' جس کے لیے وہ ساری زندگی بابا ابا کے سامنے زہر اگلتی آئی تھیں۔ "کیا کچھ نہیں کیا بینش نے تمہارے لیے؟ وہ چاہتی تو دوسری شادی کر کے آرام سے زندگی گزار سکتی تھی۔" تیمور نے اب محبت بھرے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا' ارصم کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"خبردار! مرد روتے نہیں ہیں۔" انہوں نے بے ساختہ ہی اسے اپنے ساتھ لگایا۔ اس سے زیادہ دیکھنا بینش کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ جس طرح چپکے سے آئی تھیں' اسی طرح خاموشی سے واپس پلٹ گئیں۔

"کیا ہوا' ارصم نہیں آیا تمہارے ساتھ.....؟" انہیں اکیلے آتا دیکھ کر آغا جی حیران ہوئے۔

"وہ لان میں نہیں تھا۔" انہوں نے جھوٹ بولا۔

"اچھا' مجھے تو ملازمہ کہہ رہی تھی کہ وہ وہاں بیٹھا اسموکنگ کر رہا ہے۔" وہ حیران ہوئے۔

"شاید کہیں باہر نکل گیا ہو گا۔" وہ نظریں چرا کر بولیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کا دل بھر آیا۔ وہ قالین پر بیٹھ گئیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر اونچی آواز میں رونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

بڑی اماں نے آج بہت عرصے کے بعد اسٹور کی صفائی کرائی تھی۔ اسی صفائی کے دوران بختاور عرف ڈیزی کی بہت سی چیزیں ان کے ہاتھ لگی تھیں' جسے دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی کیونکہ آج بختاور کی برسی بھی تھی۔ بہت سال پہلے اسی تاریخ کو اس کے مرنے کی اطلاع آئی تھی۔ اس دن طیبہ اپنی ماں سے ملنے ضرور آتی اور یہ اس کی

برسوں کی عادت تھی۔

"آپ کیوں ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر خود کو اذیت دیتی ہیں، مرچکی ہیں وہ۔" طیبہ نے اپنی ماں کو گلے لگا کر تسلی دی۔

"اسی بات کا تو یقین نہیں آتا کہ اتنی خاموشی سے کیسے چلی گئی وہ۔" بڑی اماں ایک دم رو پڑیں۔ ان کے ہاتھ میں بختاور کا وہ دوپٹہ تھا جس پر اس نے فرمائش کرکے کروشیے کی بیل بنوائی تھی۔

"انہیں ہر کام ہی چپکے سے کرنے کی عادت تھی، جیسے چوری چوری نکاح کیا اور خاموشی سے گھر چھوڑ دیا اور اس سے بھی زیادہ سکون سے دنیا سے چلی گئیں۔ اور پیچھے رہنے والوں کو ہمیشہ کے لیے آنسوؤں اور اذیت کا تحفہ دے گئیں۔" طیبہ کا لہجہ بھی نم ہوا۔

"کاش تمہارے بابا ڈیڈ باڈی گھر لانے کی اجازت دے دیتے، کم از کم یہ تسلی تو ہوتی کہ اپنے ہاتھوں سے دفن کیا ہے اسے۔" بڑی اماں نے اپنی ململ کے سفید دوپٹے سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔

"انہوں نے ساری زندگی غلط فیصلے کرنے کے علاوہ کیا ہی کیا ہے۔" طیبہ ایک دم تلخ ہوئیں۔

"کیا تھا اگر وہ اس لڑکے سے مل لیتے، کم از کم اپنی بیٹی سے تو نہ ہاتھ دھونا پڑتے انہیں۔" وہ دونوں ماں بیٹی باتیں کرتے کرتے لاؤنج کی طرف نکل آئی تھیں جہاں سرمد بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی بڑی اماں کو سلام کیا۔

"اچھا چھوڑو تم پرانی باتوں کو، اب ان کو دہرانے کا کیا فائدہ۔" بڑی اماں نے سرمد کے سلام کا جواب دے کر بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

"بات غلط فیصلوں کی نہیں ہے اماں، بات احساس کی ہے، آج تک بابا کو اس چیز کا احساس نہیں ہوا۔"

"تمہاری شادی والے فیصلے پر تو بہت پچھتاتے ہیں وہ۔" انہوں نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"ہونہہ۔ رہنے دیں۔" انہوں نے ناگواری سے سر کو جھٹکا دیا۔ اسی وقت سرمد نے انہیں اشارہ کیا، جو بڑی اماں کی زیرک نگاہوں سے بھی چھپا نہ رہ سکا۔

"کیا بات ہے سرمد میاں، یہ اپنی ماں کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا گفتگو کرنے کی کوشش کررہے ہو؟" انہوں نے فوراً ہی ٹوکا۔

"کچھ نہیں اماں، آج میں ایک خاص بات کرنے آئی ہوں تیمور سے۔" طیبہ نے ہلکا سا سنبھل کر کہا تو وہ چونک گئیں۔

"کیسی بات...؟" انہوں نے حیرانی سے اپنی بیٹی کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"آپ سے تو ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں، لیکن آپ ہمیشہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی ہیں۔" طیبہ نے ان سے بھی شکوہ کیا۔

"آئے ہائے، اب تو یوں کا رخ میری جانب تو مت موڑو میں نے ایسا کیا کردیا۔" وہ برا مان گئیں۔

"ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں کہ تیمور بھائی سے اوریدا اور سرمد کے رشتے کی بات کریں۔" انہوں نے فوراً ہی شکوہ کیا۔

"بھئی اسی گھر میں بیٹھا ہے اوریدا کا باپ، جا کر کرلو اس سے بات۔" انہوں نے جھٹ سے اپنا دامن بچایا۔ طیبہ بھی آج کچھ کرنے کا ہی عزم لے کر آئی تھیں، جھٹ سے اپنے بڑے بھائی کے پاس پہنچ گئیں، جو اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرائے۔

"بابا سے پوچھ لو، وہ جو فیصلہ کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" تیمور کی بات پر طیبہ کے چہرے پر ناگوار سا تاثر ابھرا۔

"لو ان سے خوامخواہ کروں بات، بیٹی تو آپ کی ہے۔" طیبہ نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"میں نے تو جب اوریدا کو پاکستان بھجوایا تھا، اس کے بعد اس کے سارے فیصلے کرنے کا اختیار بھی انہیں دے دیا تھا۔" تیمور نے اپنی مجبوری بتائی۔

"سچ پوچھیں تو میرا بابا سے اس ٹاپک پر کیا، دنیا کے کسی موضوع پر بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" طیبہ کے لہجے میں چھپی ناراضی، تیمور کو اچھی نہیں لگی۔

"بس کرو طیبہ، کب تک خفا ہوگی ان سے..." انہوں نے فوراً ہی اپنی چھوٹی بہن کو ٹوکا۔

"بھول گئے آپ' انہوں نے کیا' کیا تھا میرے ساتھ' کس جاہل جنگلی اور اجڈ بندے کے پلے باندھ دیا مجھے' محض اپنی انا کی تسکین کے لیے۔" وہ ایک دم ہی اپنے بڑے بھائی کے سامنے رو پڑیں۔

"انہوں نے یہ فیصلہ اپنی انا کی تسکین کے لیے نہیں اپنے گھر کی رہی سہی عزت کو بچانے کے لیے کیا تھا۔" تیمور نے انہیں یاد دلایا۔

"نہیں کیا لگتا تھا کہ پانچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں' کیا میں انہیں ایسی لگتی تھی....؟" وہ ایک دم غصے میں آئیں۔

"ڈیڈی اور میں بھی کہیں سے ویسے نہیں لگتے تھے' تمہارے ساتھ جو ہوا اس میں قصوروار بابا نہیں' میں اور ڈیڈی ہیں۔ ہمارے کیے گئے غلط فیصلوں کی وجہ سے بابا نے عجلت میں تمہاری زندگی کا فیصلہ کیا۔" تیمور کے منہ سے نکلنے والی اس بات نے طیبہ کو الجھا دیا۔

"جو بھی ذمے دار ہو' لیکن میری زندگی کو تو داؤ پر لگا دیا تھا نا....." وہ ایک دم خفا ہوئیں۔

"بس کرو طیبہ' سرمد کے بابا بہت بدل چکے ہیں اب....." تیمور نے چھوٹی بہن کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"لیکن کیا فائدہ....؟ مجھے تو ساری زندگی اپنی جہالت کے گرداب میں پھنسائے رکھا۔" وہ کوئی بھی رعایت دینے کو تیار نہیں تھیں۔

"اب چھوڑ دو پچھلی باتوں کو اور بس آنے والی زندگی کو دیکھو' اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوچو....." تیمور نے نرمی سے اپنی بہن کو مشورہ دیا۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اوریدا کو میری بہو بنا دیں' شاید میرے دل پر لگے زخم کا مداوا ہو جائے۔" انہوں نے ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"دیکھو طیبہ' ایک دفعہ پہلے بھی اماں نے مجھ سے اس سلسلے میں بات کی تھی' میں نے تب بھی ان سے یہی کہا تھا کہ بابا سے پوچھ لیں اور میں آج تم سے بھی یہی کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے اپنی بات کو دہرایا تو طیبہ فیصلہ کن انداز میں ڈاکٹر جلال کے کمرے میں پہنچ گئیں' جنہوں نے بڑے سکون سے اپنی سب سے چھوٹی اولاد کی بات سنی۔ وہ آج اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اپنے باپ سے خفا تھیں اور یہ خفگی' طیبہ کے چہرے' آنکھوں اور گفتگو کے ہر انداز سے عیاں ہوتی تھی۔ اس سے ان کا دل کرب سے پھٹنے لگتا' لیکن ضبط کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"دیکھو بیٹا' ایسی باتیں بیٹھ کر' آرام اور سکون سے ہوتی ہیں۔" انہوں نے نرمی سے انہیں ٹوکا' جو کمرے کے عین بیچ میں بے زاری سے کھڑی تھیں۔

"آپ کا جو فیصلہ ہے' آپ پلیز مجھے بتا دیں۔ ویسے اندازہ ہے مجھے' آپ کیا کہیں گے۔" طیبہ پر ان کے لہجے کی نرمی کا رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ الٹا انہوں نے بڑی طنزیہ نگاہوں سے اپنے بوڑھے باپ کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے' پہلے تم بتا دو کہ میں کیا کہوں گا....." انہوں نے بڑے سکون سے سائیڈ میز سے اپنا چشمہ اٹھا کر لگایا اور اپنی بیٹی کو غور سے دیکھا۔ وہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اس کی ناراضی دور نہیں کر سکے تھے۔

"مجھے لگتا ہے آپ انکار کر دیں گے۔" طیبہ نے صاف صاف کہا اور کھڑکی کے پار دیکھنے لگیں۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں منع کر دوں گا تمہیں....." ان کے چہرے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ابھری۔

"اس لیے کہ آپ نے کبھی بھی میری کسی خوشی کا خیال نہیں رکھا....." انہوں نے پہلی دفعہ کھل کر باپ کے سامنے شکوہ کیا۔

"زندگی کے ایک فیصلے کو چھوڑ کر مجھے کوئی بھی ایسی بات بتا دو' جہاں میں نے تمہاری مرضی کو اہمیت نہ دی ہو۔" ڈاکٹر جلال کی بات پر وہ لاجواب ہو کر ایک لمحے کو ٹپٹا سی گئیں۔ ذہن پر زور ڈالنے پر بھی کوئی ایسی بات یاد نہیں آئی تو بے زاری سے گویا ہوئیں۔

"کاش آپ اسی ایک بات میں میری خوشی کا خیال

کر لیتے تو کم از کم میری زندگی تو سکون سے گزر جاتی۔"

"جنھوں نے اپنی مرضی سے فیصلے کیے' انہوں نے کون سی خوش باش زندگی گزار لی۔" ان کا اشارہ تیمور اور بختاور کی طرف تھا۔

"ڈیزی آپی کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتی' لیکن تیمور بھائی نے اپنی بیوی کے ساتھ جتنی زندگی گزاری' وہ ماشاء اللہ زبردست ۔۔ تھی' میں اس بات کی گواہ ہوں۔" انہوں نے پہلی دفعہ ان کے منہ پر ان سے اختلاف کیا۔

"اس کی ازدواجی زندگی تھی ہی کتنے سال۔۔۔؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ تو اللہ کی مرضی' لیکن آپ نہیں سمجھیں گے۔ اپنی مرضی کے چند سال بھی اس پوری اور لمبی زندگی پر حاوی ہوتے ہیں جہاں آپ کا دل خوش نہ ہو۔" ان کا تلخ لہجہ ایک دفعہ پھر ڈاکٹر جلال کو ان کے غلط فیصلے کی یاد دلا گیا۔

"میں اس موضوع پر تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔" انہوں نے مزاج کے برخلاف فوراً" ہی ہار مان لی۔

"تو پھر میں اسے اورید اور مہد کے رشتے کا جواب سمجھوں۔۔۔؟" وہ فوراً" ہی بدگمان ہوئیں۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا' مجھے تھوڑا ٹائم دو' میں اس سلسلے میں اورید کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے نظریں چرا کر افسردگی سے کہا۔

"ہماری دفعہ تو آپ نے کسی سے نہیں پوچھا تھا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی طیبہ اس بات کا شکوہ کر گئیں۔

ڈاکٹر جلال نے زخمی نظروں سے اپنی اس آخری اولاد کو دیکھا اور ایک تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ٹھہر گئی۔ "اس بات کا عذاب بھی تو میں نے اکیلے ہی بھگتا ہے اپنی جان پر۔" ان کے اس جملے میں صدیوں کی تھکن اور اذیت تھی۔

ایک لمحے کو تو طیبہ بھی چپ ہو گئیں' ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"بابا نے بہت ظلم کیا میرے ساتھ۔" شانزے کے چہرے کے ایک ایک نقش سے غم و غصہ چھلک رہا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے وہ ساری دنیا سے ناراض ہے۔ ماہیر کے ساتھ وہ بلیو ایریا کے ایک ریسٹورنٹ میں موجود تھی۔

"اتنے سال کے بعد اچانک ملاقات نہ ہوتی تو شاید وہ مجھے ڈھونڈنے کی زحمت بھی نہ کرتے۔" وہ بدگمانی کی انتہا پر تھی۔ ماہیر خاموشی سے اسے سن رہا تھا' اس نے اسے ایک دفعہ بھی اسے درمیان میں نہیں ٹوکا وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک دفعہ دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال لے۔

"اب تم بتاؤ' میں کیا کروں۔۔۔؟" وہ لمحہ آہی گیا تھا جس کا ماہیر کو پچھلے ایک گھنٹے سے انتظار تھا۔

"تمہیں انہیں معاف کر دینا چاہیے شانزے۔۔۔" ماہیر نے آہستگی سے کہا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔" وہ غم و غصے کے ملے جلے جذبات کے ساتھ قدرے بلند آواز میں بولی۔

"انہوں نے تمہارے ساتھ نہیں اپنی جان پر ظلم کیا' اپنے گھر والوں اور اپنے اللہ کی ناراضی تو سمیٹی ہی ساتھ خود ساختہ جلاوطنی بھی اختیار کیے رکھی۔ تمہارا کیا خیال ہے' وہ خوش رہے ہوں گے۔" ماہیر نے ایمانداری سے ہاشم رضا کی زندگی کا تجزیہ کیا۔

"یہ میرا پرابلم نہیں ہے۔" اس نے بے رخی سے جواب دیا۔

"تو تمہارا پرابلم ہے کیا؟" ماہیر نے ہلکی سی ناراضی سے اپنے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا' جس کے مزاج سے جھلکتا بچکانہ پن کبھی کبھی تو اسے اپنا امتحان لیتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"میرا دکھ' میری زندگی کے بیس سال ہیں' جو میں نے اپنے والدین کے بغیر گزارے۔ کسی بچے سے اس کا بچپن چھین لیا جائے' اس کو اٹھا کر کسی اور کی گود میں ڈال دیا جائے' کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں۔" شانزے کا جسم دھیرے دھیرے لرزنے لگا۔ ساتھ ہی آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔

"شانزے ٹیک اٹ ایزی یار۔۔۔" ماہیر نے پانی کا

گلاس اس کی جانب بڑھایا۔
"پھپھو اپنی بے اولادی کا دکھ ختم کرنے کے لیے مجھے اپنے گھر لے تو گئیں، لیکن جب اللہ نے انہیں جڑواں بچوں سے نواز دیا تو وہ بھول گئیں کہ میں کون ہوں، میری کیا حیثیت ہے۔ ویسے بھی اس میں ان کا کیا قصور، اپنی اولاد کے سامنے کون پرائی اولاد کو اہمیت دیتا ہے، چاہے وہ اس کے سگے بھائی کا ہی خون کیوں نہ ہو۔" اسے سب ہی لوگوں سے شکوے تھے۔
"بہت ناشکری ہو تم۔ شکر کیا کرو کہ تمہاری پھپھو نے تم پر کبھی کوئی روک ٹوک نہیں کی اور تمہیں اپنی زندگی اپنے طریقے سے بسر کرنے کی اجازت دے دی۔" ماہیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"کاش وہ روک ٹوک کر لیتیں تو میں آج اس مقام پر نہ ہوتی، جس پر آج کھڑی ہوں۔" شانزے کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔
"کیوں کیا ہوا ہے تمہیں۔ اچھی خاصی زندگی تو بسر کر رہی ہو۔" ماہیر کی بات پر اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔
"یہ اچھی خاصی زندگی نہیں ہے ماہیر۔ میں ہمیشہ اس گھر میں اجنبی سیارے سے آئی ہوئی مخلوق کی طرح رہی ہوں۔ قدم قدم پر مجھے میرے خاندان والوں نے اس بات کا احساس دلایا کہ میرے والدین نے ماضی میں کیا کیا غلطیاں کیں۔" اس کی آواز میں درد اور غم کی آمیزش ہوئی۔ ماہیر نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، وہ اس کا دکھ اب اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔
"ان رشتے داروں اور نام نہاد اپنوں سے بھاگ کر تو میں نے لاہور چھوڑا اور یہاں آگئی، اب بھی چھ ماہ میں گھر نہ جاؤں تو کسی کو میری ٹینشن نہیں ہوتی۔ ان ہی لوگوں کے اس رویے نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی ذاتی ایک پہچان بناؤں، جہاں لوگ میرا تعارف یہ کہہ کر کرانا چھوڑ دیں کہ یہ بختاور اور ہاشم کی بیٹی ہے۔" شانزے نے پہلی دفعہ کسی کے سامنے اپنی ماضی کے اس رخ کو آشکار کیا تھا۔

"تمہارے تایا اور پھپھو لوگ تم سے پیار نہیں کرتے تھے کیا۔۔۔؟" ماہیر کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔
"زندگی میں پیار سے بڑھ کر بھی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں ماہیر! ہر وہ خوشی یا غم جو بچے اپنے والدین سے شیئر کرتے ہیں میں نے اپنے تکیے اور کمرے کی دیواروں سے کیا۔ کتنی راتیں صرف ستاروں کو گن گن کر گزاریں اپنے اندر موجود ہر جذبے کو اپنے ہی اندر بے دردی سے قتل کر دیا۔ کوئی تھا ہی نہیں جس سے میں شیئر کرتی۔۔۔" وہ آج پہلی دفعہ اس کے سامنے کھل کر رو رہی تھی۔ کئی سالوں کا جمع ہوا لاوا ایک دم ہی پھٹ پڑا تھا۔
"تم نے اپنی والدہ کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔" ماہیر کے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا۔
"میں اس عورت کو کیوں تلاش کرتی، جس نے بے دردی سے اپنے جسم کے ٹکڑے کو خود سے علیحدہ کر کے زمانے کی ٹھوکریں کھانے کو پھینک دیا۔" اس نے پست آواز میں کہا۔
"پھر بھی شانزے، وہ تمہاری ماں تھیں۔۔۔" ماہیر نے اسے یاد دلایا۔
"وہ میری ماں تھیں، لیکن میں ان کی بیٹی نہیں، ان کے وجود کے لیے ایک گالی تھی، تب ہی تو مجھے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک دفعہ نہیں سوچا۔" اس نے آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے صاف کیں۔
"نہیں تم سے جان چھڑانی ہوتی تو ایدھی کے جھولے میں ڈال دیتیں یا کسی اور جگہ چھوڑ کر چلی جاتیں، لیکن وہ تو تمہیں محفوظ ہاتھوں میں دے کر گئیں، اس کا مطلب ہے کہ انہیں تم سے محبت تھی۔" ماہیر کو اس ان دیکھی عورت سے ہمدردی محسوس ہوئی۔
"تم ان کی فیورمت کرو۔۔۔" وہ ایک دم چڑ گئی اور اس کے چڑنے پر ماہیر مسکرا دیا۔
"اف!! کیسے ہوگا تمہارے ساتھ گزارا، مجال ہے جو ذرا قوت برداشت ہو تم میں۔۔۔" ماہیر نے اسے

چھیڑا۔
"تو مت کرو مجھ سے شادی میں کون سا مری جا رہی ہوں۔" وہ غصے سے اٹھی اور میز پر رکھا اپنا ہینڈ بیگ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا' ماہیر نے اس کا وہی ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ایک دم سٹپٹا گئی۔
"یہ کیا فضول حرکت ہے' ہاتھ چھوڑو میرا۔۔۔" وہ جھنجلائی۔
"ہمت ہے تو چھڑا کر دیکھ لو۔۔۔" ماہیر کی گرفت اور مضبوط ہو گئی' اس کی آنکھوں میں مچلتی شرارت کو دیکھ کر وہ تھوڑی دھیمی پڑ گئی اور دھپ کر کے دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
"نخرے کم کیا کرو' سمجھیں۔۔۔" ماہیر نے محبت سے اسے ڈانٹا۔
"انسان اسی کو نخرے دکھاتا ہے' جس پر اسے مان ہو کہ وہ اسے منا لے گا۔" شانزے نے اسے لاجواب کیا تو وہ یک ٹک اسے دیکھتا ہوا ایک دم ہنس پڑا۔
"پہلے آرام اور سکون سے کھانا کھاؤ' پھر اسے مسئلے کا کوئی حل نکالتے ہیں۔" ماہیر نے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالے اور وہ کسی پانچ سالہ بچے کی طرح ہونٹ لٹکائے اس طرح بیٹھی تھی' جس سے اس کا کوئی پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہو۔

✡ ✡ ✡

وہ پہلی رات تھی جو آپا صالحہ اور عدینہ نے ماں بیٹی بن کر نہیں سہیلیاں بن کر گزاری تھی۔ آپا صالحہ کے ہر دکھ پر عدینہ کی آنکھیں برسنے لگتیں اور ان کی زندگی کے ہر نئے موڑ پر اس کی سانسیں رکنے لگتیں۔ وہ سانس روکے اپنی ماں کی ماضی کی داستان سن رہی تھی۔
"نیلم نے میرا بہت ساتھ دیا' وہ شادی کے بعد سڈنی چلی گئی' لیکن میری خاطر وہ ہر دوسرے دن وہاں سے فون کرتی' وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اور اس کے والدین نے مجھے ہمیشہ نیلم کی جگہ ہی رکھا۔" آپا صالحہ تھکن سے چور لہجے میں مسلسل بول رہی تھیں۔
"وہ جو آزاد کشمیر میں آپ کے والدین ہیں' وہ نیلم آنٹی کے پیرنٹس ہیں۔" عدینہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"نہیں' وہ میرے لیے بھی والدین کی ہی جگہ پر ہیں۔" انہوں نے فوراً ہی اس کی تصحیح کی۔
"اچھا' تو پھر کیا ہوا۔۔۔؟" عدینہ کو سب کچھ جان لینے کی بے تابی تھی۔
"میں سارا سارا دن روتی رہتی' ایک دفعہ میں نے سلیپنگ پلز کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کی بھی کوشش کی۔" ان کی بات پر عدینہ کو دھچکا لگا۔
"لیکن نیلم کے والدین کی دعاؤں نے مجھے بچالیا' تب اس کی والدہ نے مجھے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے ایک قریبی مدرسے میں ڈال دیا' وہ میری زندگی کے اذیت ناک دن تھے۔ میں قرآن اور اس کی تفسیر پڑھتی اور مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ میرے آنسوؤں سے قرآن کے ورق گیلے ہو جاتے۔ نیلم کی ماں جی مجھے اس بے ادبی پر ٹوکتیں' لیکن میرا اپنے اوپر اختیار ہی نہیں تھا۔" ان کی آواز پست اور درد بھری تھی۔
"میں نے تو جو گناہ کیا' لاعلمی میں کیا اور جب اس حوالے سے آیات اور احادیث پڑھتی تو اللہ کی ناراضی کا خوف مجھے ساری ساری رات جگائے رکھتا' مجھے لگتا جیسے میرا سارا وجود گناہوں سے لتھڑا ہوا ہو' لیکن آفرین ہے نیلم کے والدین پر' انہوں نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھا۔۔۔ مجھے لے کر وہ کبھی کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتے تو کبھی کسی دور دراز علاقے میں رہنے والے بزرگ کے پاس۔۔۔" ان کی آواز ایک دفعہ پھر نم ہوئی۔
"میرے پاپا سے آپ کی ملاقات کیسے ہوئی۔۔۔؟" عدینہ نے ذرا سا جھجک کر پوچھا۔
"میں نے انہیں نکاح کے بعد دیکھا تھا۔" آپا صالحہ کے اس انکشاف نے عدینہ کو ہکا بکا کر دیا۔
"میں شادی کے لیے تیار ہی نہیں تھی' لیکن ان دنوں تمہارے پاپا کسی جماعت کے ساتھ تبلیغ کرنے مظفر آباد آئے ہوئے تھے' وہیں ان کی نیلم کے فادر

سے ملاقات ہوئی۔" آپا صالحہ کی بات پر عدینہ کو اگلا سارا قصہ سمجھ میں آگیا۔

"نیلم کے بابا نے ان سے میرا کیس ڈسکس کیا تو پتا ہے انہوں نے کیا کہا....؟" آپا صالحہ کی آنکھوں میں روشنی چمکی، عدینہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"انہوں نے کہا کہ اس عورت پر اللہ کا خاص کرم ہے۔ جس نے اسے درست فیصلہ کرنے کی توفیق دی اور اس نے یہ فیصلہ کرکے اپنی آخرت بچالی' یہ ایک ایسی مثبت بات تھی، جو میں نے اس سارے کرب ناک دور میں پہلی دفعہ سنی...."

"پھر کیا ہوا....؟" عدینہ کا سارا وجود مجسم سماعت بن گیا۔

"تب نیلم کے بابا نے ان سے کہا کہ میں ان کے لیے بیٹیوں کی طرح ہوں اور وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اس لیے ان کی جماعت میں یا ان کے جاننے والوں میں کوئی ایسا شخص ہو جو مجھ سے نکاح کرسکے' تب انہوں نے کچھ بھی سوچے بغیر اپنا نام ان کے سامنے پیش کردیا۔" عدینہ نے محسوس کیا کہ مولوی رفیق کے نام پر آپا صالحہ کے چہرے پر حقیقی خوشی کے رنگ بکھرتے تھے۔

"تو پھر آپ دونوں کی شادی ہوگئی....؟" عدینہ مسکرادی۔

"نہیں اس سے پہلے نیلم کے فادر نے ہر وہ کام کیا' جو ایک بیٹی کا باپ اپنی بیٹی کے تحفظ کے لیے کرسکتا تھا' انہوں نے اپنے شہر کے سب سے بڑے مفتی سے میرے پہلے نکاح کی تنسیخ کا فتویٰ لیا' حق مہر میں رفیق صاحب سے ان کا گھر لکھوایا اور پھر نہ صرف مجھے ان کے ساتھ رخصت کیا بلکہ ہر ہفتے میری خیریت سے آگاہ ہونے کے لیے فون پر بھی رابطہ رکھا۔" آپا صالحہ کے لہجے میں ان کے لیے ۔۔۔ محبت اور عقیدت کی فراوانی تھی۔

"انہوں نے اپنی خواہش پر میرا نام بختاور سے بدل کر صالحہ رکھا اور مجھے کہا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ اور ایک نئے نام سے نئی زندگی کا آغاز کرو۔ انہوں نے کبھی بھول کر بھی مجھ سے میرے ماضی کا نہیں پوچھا' کبھی پلٹ کر کسی بات کا طعنہ نہیں دیا' لیکن اتنے اچھے انسان کا ساتھ بھی مجھے میرا تلخ ماضی بھولنے نہیں دیتا تھا۔ مجھے جب بھی اپنی غلطی کا احساس ہوتا تو میں کئی کئی دن تک روتی رہتی۔ ایک بے سکونی تھی جو ابھی تک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔" ان کی سرخ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور بولتے ہوئے ان کا گلا بار بار خشک ہو رہا تھا۔

"تمہارے بابا دنیا کے بہترین انسان تھے جو اللہ نے کسی نیکی کے عوض میرے نصیب میں لکھ دیے' میرے بچے کے بعد دیگرے کئی بچے پیدا ہوتے اور مرجاتے' مجھے لگتا کہ اللہ ابھی تک مجھ سے خفا ہے' وہ مجھے ان آیات کا حوالہ دے کر سمجھاتے۔ جس میں بتایا جاتا تھا کہ اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے' میں نے جتنا عرصہ ان کے ساتھ گزارا' وہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت دور تھا' پھر تم میری گود میں آگئیں...." وہ بولتے بولتے رکیں۔

"تمہاری پیدائش پر مجھے ایسا لگا جیسے میرے والدین نے مجھے بددعا دی ہو کہ میرے گھر ہمیشہ بیٹیاں ہی پیدا ہوں' تمہاری پیدائش کے بعد مجھے وہ ننھی زینب بہت یاد آتی' جسے میں اس کے تایا اور پھپھو کے پاس چھوڑ آئی تھی۔" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگیں' عدینہ نے بے ساختہ انہیں اپنے ساتھ لگا کر تسلی دینے کی کوشش کی تو اسے احساس ہوا' آپا صالحہ کا جسم بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔

"آپا' آپ کو تو بہت تیز بخار ہے....؟" وہ گھبرا گئی۔

"جب انسان کے وجود کے اندر ۔۔۔ پچھتاوے کی آگ ہو تو تپش کہیں نہ کہیں سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈ ہی لیتی ہے۔" انہوں نے عدینہ کے ہاتھ سے بخار کی میڈیسن لی اور فوراً نگل لی۔

"تمہیں پتا ہے' زینب کو وہاں چھوڑنا میری زندگی کا ایک اور غلط فیصلہ تھا۔ مجھے اپنی بیٹی کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہیے تھا۔ اس میں اس ننھی جان کا تو کوئی

قصور نہیں تھا، لیکن میں نے سوچا تھا کہ میری محبت تو اس کے باپ کو نہ بدل سکی، شاید اپنی بیٹی کی چاہت میں وہ مزید بھٹکنے سے بچ جائے، لیکن پتا نہیں اس معصوم کے ساتھ کیا بیتی ہوگی۔" انہوں نے آج اپنی زندگی کا ہر گوشہ بے نقاب کر دیا تھا۔

"ان شاء اللہ آپ کی کامیاب سرجری ہو جائے تو میں آپ کو ایک سرپرائز دوں گی۔" عدینہ انہیں ڈاکٹر جلال اور بڑی اماں کے بارے میں بتاتے بتاتے رک گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آپا کو ٹھیک ہونے کے بعد سب کچھ بتا دے گی۔ اس کی بات پر وہ مسکرا دیں انہوں نے اس سرپرائز کے بارے میں کسی تجسس کا اظہار نہیں کیا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہتر کرے گا۔" اپنی بیٹی کی تسلی پر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔ ایک بے نام سا اضطراب ان کے جسم وجاں میں چٹکیاں سی لینے لگا۔

"بس آپ سو جائیں، بہت باتیں ہو گئیں آج...." عدینہ نے اٹھ کر ان کا کمبل درست کیا۔ وہ خاموشی سے لیٹ گئیں۔ کمرے میں زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے ساتھ تھیں لیکن دونوں کے ذہنوں میں اس وقت بہت کچھ چل رہا تھا۔ عدینہ کے آج سارے گلے شکوے ختم ہو گئے تھے۔

وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب آپا صالحہ کی طبیعت ایک دم ہی خراب ہوئی، عدینہ نے گھبرا کر عبداللہ کو فون کیا اور وہ فوراً گاڑی لے آیا، اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے جب ان لوگوں کی گاڑی راولپنڈی کی حدود میں داخل ہوئی۔ آپا صالحہ کے چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں، ان کی آنکھوں کی روشنی بالکل مدھم ہو گئی تھی اور وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بالکل شکست خوردہ انداز میں لیٹی ہوئی تھیں۔

اگلی صبح، ان کے سرجری سے پہلے کرائے جانے والے ٹیسٹ لیے گئے اور اس موقع پر عبداللہ کا ساتھ عدینہ کے لیے بڑی تقویت کا باعث بنا، اسے پہلی دفعہ اپنی ماں کے بروقت کیے گئے درست فیصلے کا احساس ہوا تھا۔ آپا صالحہ کو اسپتال میں داخل کر لیا گیا تھا اور ان کی طبیعت بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی، عدینہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے گھبرا کر اوریدا کو فون کر دیا اور وہ اگلے ایک گھنٹے میں ڈاکٹر جلال اور ماہیر کے ساتھ اس کے پاس پہنچ گئی۔ عدینہ بے اختیار ڈاکٹر جلال کے ساتھ لگ کر رو دی۔ وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے اس بد قسمت انسان کو دیکھ رہی تھی جسے احساس ہی نہیں تھا کہ آپریشن تھیٹر میں بے حس و حرکت پڑے ہوئے وجود سے ان کا کیا رشتہ ہے۔

"حوصلہ رکھو بیٹا...." انہوں نے اس کے سر پر شفقت بھرے انداز میں ہاتھ پھیرا۔

"بڑے ابا، مجھے لگتا ہے جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ میری ماں کے لیے دعا کریں۔" وہ نہ جانے کیوں آج بہت کمزور پڑ گئی تھی۔

"اللہ انہیں زندگی اور صحت دے، بی بی....." انہوں نے اسے حوصلہ دیا۔

"آپ پلیز ان کے لیے دل سے دعا کریں۔ مجھے لگتا ہے آپ کی دعا ان کو بچا سکتی ہے۔" عدینہ کا لہجہ وہاں کھڑے سب ہی لوگوں کو چونکا گیا۔

"عدینہ کیا ہو گیا ہے، حوصلے سے کام لو اور خود بھی دعا کرو ان کے لیے۔" کاریڈور کے ایک کونے میں کھڑا عبداللہ اچانک ہی ڈاکٹر جلال کے سامنے آ گیا تھا انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اوریدا کی طرف دیکھا۔

"یہ عبداللہ بھائی ہیں، ان کا نکاح ہو چکا ہے عدینہ سے۔" اوریدا نے جھجک کر تعارف کی رسم نبھائی۔

ڈاکٹر جلال اور ماہیر نے بڑے پرجوش انداز میں ہاتھ ملایا۔ سلجھا ہوا یہ نوجوان ڈاکٹر کو پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا۔ پانچ گھنٹے کی اس سرجری کے عرصے میں پہلی دفعہ عدینہ کو اوریدا کی فیملی کی محبت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوا تھا۔ سرجری کے درمیانی عرصے میں بڑی اماں بھی بوا رحمت کے ساتھ اسپتال کا چکر لگا گئی تھیں۔ انہوں نے عدینہ کو تسلی دی تھی کہ وہ گھر جاتے ہی اس کی والدہ کی صحت یابی کے لیے وظیفہ کریں گی۔

ڈاکٹر جلال اور ماہیر مختلف ڈاکٹرز کے پاس چکر لگا رہے تھے۔ وقفے وقفے سے اس جگہ کا بھی چکر لگا لیتے جہاں عدینہ، اوریدا اور عبداللہ کھڑے تھے۔ عدینہ کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور اسکے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے اس کا وجود کسی سولی پر لٹکا ہوا ہو۔

"پلیز بینچ پر تو بیٹھ جاؤ....." اوریدا نے اس کا بازو پکڑ کر زبردستی بٹھایا، وہ پچھلے دو گھنٹے سے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور دل ہی دل میں وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھی کہ جب ڈاکٹر جلال کا آپا صالحہ سے سامنا ہوگا تو کیا صورت حال ہوگی۔ ظاہری سی بات تھی کہ ایسے حالات میں تو وہ ضرور ان سے مل کر ہی جاتے، اسے ان لمحات کا سوچ کر ہی خوف آرہا تھا۔

"کیسی ہو عدینہ....." ارصم کی آواز پر اوریدا کا دل بے اختیار تیزی سے دھڑکا۔ اس نے بے تابی سے پلٹ کر دیکھا، سامنے وہ دشمن جاں سفید کرتے شلوار میں ملبوس بڑے مضمحل انداز میں کھڑا تھا۔ وہ بالکل ہی دبے پاؤں ان کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا اور انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

"تم کیسے ہو ارصم.....؟" عدینہ اسے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دونوں کو ہی اس کے آنے کی توقع نہیں تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ آنٹی کیسی ہیں؟ مجھے تھوڑی دیر پہلے رحمت بوا نے بتایا تھا ان کی سرجری کا۔" وہ اوریدا کو نظر انداز کیے اس سے مخاطب تھا۔ اس نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کر اوریدا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"بس دعا کرو ارصم، ابھی تو بہت مرحلے باقی ہیں۔" س کے گلے میں بے شمار آنسو اٹکے۔

"اللہ کرم کرے گا، میری کسی بھی قسم کی ہیلپ کی ضرورت ہو تو تم بے تکلفی سے بتا سکتی ہو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"فی الحال تو اوریدا کو گھر چھوڑ آؤ، یہ صبح سے یہاں ہے میرے پاس....." عدینہ کو ایسی صورت حال میں بھی ان دونوں کا خیال تھا۔

اوریدا نے ایک دم حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں اکیلے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں یار.....؟"

"ایک دو گھنٹوں کے بعد ریسٹ کر کے پھر آجانا، اس کے بعد تمہیں چھوڑ کر میں جاؤں گی فریش ہونے....." عدینہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی ارصم بول پڑا۔ "میرے خیال میں اسے تمہارے پاس ہی رہنا چاہیے....."

"میرے پاس ابھی بڑے ابا، ماہیر اور عبداللہ ہیں۔ اوریدا! تم جاؤ پلیز....." عدینہ کے لہجے میں اس دفعہ ہلکی سی برہمی تھی۔

"چلو....." اوریدا مرے مرے قدموں کے ساتھ ارصم کے ساتھ چل پڑی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ بھی پیچھے پلٹ کر یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ اس کے پیچھے آبھی رہی ہے کہ نہیں۔ اپنی بے وقعتی کا احساس اوریدا کی آنکھوں میں آنسو لے آیا۔ وہ چلتے چلتے رکی اور وہیں کھڑی ہو گئی۔ ارصم نے گاڑی کے پاس پہنچ کر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور تھوڑا سا جھنجلایا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوریدا کی طرف بڑھا، اور سخت غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے.....؟" اس کے الفاظ اتنے سخت نہیں تھے جتنا لہجہ۔

"کچھ نہیں....." اوریدا کے حلق میں آنسوؤں کی کڑواہٹ گھلنے لگی۔ اس کا یہ اجنبی انداز اس نے کب دیکھا تھا۔

"میرے ساتھ جانا ہے کہ نہیں....." وہ ایک دم اس کے پاس آکر غصے سے بولا۔ اوریدا کے من میں کوئی پھانس سی چبھی، جس کی تکلیف سے سانس لینا دشوار ہو گیا۔ اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"نہیں....." اس دفعہ اوریدا کی آواز میں ایسی تلخی تھی کہ ارصم جاوید اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"الحمدللہ' آپا صالحہ کی سرجری کامیابی کے ساتھ ہوگئی ہے۔۔۔" عبداللہ کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ نے عدینہ کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔

"آپ کو کس نے بتایا۔۔۔؟" وہ بے اختیار عبداللہ کے بالکل قریب چلی آئی۔

"ابھی ڈاکٹر جلال سے مل کر آیا ہوں' ان کی آپریٹ کرنے والے ڈاکٹرز سے بات ہوگئی ہے۔" عبداللہ نے اس دفعہ تفصیل سے بتایا۔

"تھینک گاڈ۔۔۔" اس کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

"ابھی آپا کو اوٹی (آپریشن تھیٹر) سے روم میں شفٹ کردیں گے۔۔۔" عبداللہ کے کہنے کی دیر تھی کہ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھل گیا۔ جس لمحے آپا صالحہ کا بے جان وجود اسٹریچر پر ڈال کر باہر نکالا جارہا تھا' اسی وقت سامنے سے آتے ڈاکٹر جلال نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل سے نظریں ہٹائی تھیں۔۔۔ وہ بڑے پرسکون انداز میں ماہیر کے ساتھ کوریڈور کی دوسری طرف کھڑی عدینہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اسٹریچر پر لیٹی ہوئی عورت کے چہرے پر ایک نظر نہ ڈالتے۔

"یا اللہ مدد۔۔۔" عدینہ کا رنگ فق ہوا۔ وہ ساکت نگاہوں سے ڈاکٹر جلال کو دیکھنے لگی۔ دل و دماغ میں ایک حشر سا برپا ہوا۔

"کاش۔۔۔ وہ آپا صالحہ کی طرف نہ دیکھیں۔۔۔" عدینہ نے دل سے دعا کی تھی جو قبولیت کے درجے کو نہ پہنچ سکی۔

ڈاکٹر جلال' ماہیر کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کوریڈور میں تیزی سے عدینہ کی طرف چلتے آرہے تھے۔ اسی وقت وہ اسٹریچر بالکل ان کے برابر سے گزرا۔ جسے وارڈ بوائے تیزی سے آپریشن تھیٹر سے روم میں شفٹ کرنے کے لیے جارہے تھے۔ انہوں نے چلتے چلتے ایک سرسری سی نگاہ اس بے حس و حرکت پڑے وجود پر ڈالی اور انہیں لگا جیسے پورے اسپتال کی عمارت ان کے سر پر آگری ہے۔ اچانک ہونے والا یہ سامنا کسی خودکش دھماکے سے کم نہ تھا۔ ڈاکٹر جلال کو اپنا سارا وجود ذروں کی صورت میں فضا میں بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ حلق میں بے شمار کانٹے ایک ساتھ چبھے۔ انہوں نے بے رحمی سے اپنی دھندلی آنکھوں کو مسلا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مغالطے کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کا دل گواہی دے چکا تھا۔

بہت سالوں کے بعد' ظالم تقدیر نے انہیں اس کے سامنے لاکر کھڑا کیا تھا' جسے وہ بہت سال پہلے اپنے دل و دماغ میں دفن کرچکے تھے۔ وقت نے بختاور کے نقوش پر اگرچہ گہرا اثر ڈالا تھا' لیکن وہ ان کا خون تھی پھر وہ اسے کیسے نہ پہچانتے۔ انہیں اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جسم کے ہر بن مو سے درد ابل ابل کر باہر نکلنے لگا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر لڑکھڑائے' انہیں بختاور کے اسٹریچر پر پڑے وجود اور سرد خانے میں رکھی کسی لاش کے چہرے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔

(آخری قسط اگلے ماہ ان شاء اللہ)